R. No. 21863 | Regd. No. 922

انجمن ترقی اُردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

مقام اشاعت
۱-۸-۱۵-۲۲

[illegible] — ۲۹
قیمت تین روپے سالانہ
فی پرچہ [illegible] نئے پیسے

جلد ۲۲ - شمارہ ۳۸ | ایڈیٹر - آل احمد سرور | ۸ ؍ اکتوبر ۱۹۶۳ء

اداریہ

یوم پریم چند

آج ملک بھر میں یوم پریم چند منایا جا رہا ہے۔ پریم چند نے اُردو اور ہندی کو بہت کچھ دیا۔ شروع میں وہ اردو میں ہی لکھتے تھے۔ بعد میں اُردو کی کہانیوں اور ناولوں کا ہندی میں بھی ترجمہ کرنے لگے۔ اُردو میں اُن کی کیا بھی کی کتابیں بہت کم بکتی تھیں۔ جب ہندی میں چھپیں تو خوب بکنے لگیں۔ رفتہ رفتہ انھوں نے ہندی میں ہی لکھنا شروع کر دیا اور اردو میں ترجمہ کرنے لگے۔ آخر میں اقبال ورما سحر ہنگامی نے اُن کی ناولوں کے ترجمے کئے۔ مگر آخر تک انھوں نے آسان زبان کو اپنایا۔ اُن کی اردو میں جا بجا موقع سے ہندی کے الفاظ استعمال ہوتے تھے اور ہندی میں وہ عربی فارسی کے عام فہم الفاظ کو بھی برابر استعمال کرتے تھے۔ انھوں نے اُردو ناول اور افسانے کو ہمارے دیہات کی کھلی فضا عطا کی۔ انھوں نے ہمارے ادب کو ہندوستان کے بدلتے ہوئے شعور کا آئینہ دار بنایا اور اس میں سماجی اور سیاسی جدوجہد کی گرمی پیدا کی۔ انھوں نے ایک جاندار اور عام فہم زبان استعمال کی۔ انھوں نے کتنے ہی کسانوں، مزدوروں، اچھوتوں کی عظمت آشکار کی اور کتنے ہی لیڈروں، مہاجنوں، پنڈتوں اور مولویوں کی کمزوریوں کو بے نقاب کیا۔ وہ برابر ایک اخلاقی اور اصلاحی مشن کے علم بردار رہے۔ انھوں نے جو افسانے اور ناول چھوڑے ہیں اُن کا بڑا حصہ غیر فانی ہے۔ اُن کی یاد نہ صرف ہندوستان کے ایک بڑے فنکار کی یاد ہے بلکہ انسان دوستی، وطن پرستی، قومیت، رواداری، مساوات، اخلاقی معیاروں اور تہذیبی قدروں کی یاد ہے۔ اُن کے یہاں ادب زندگی کا خادم ہے اور اُن کی مثال سے آج بھی ادیبوں کو ہر حال میں محبت، زندگی اور انسان کی خدمت کا سبق لینا چاہیے۔

انجمن کا وفد

انجمن کا وفد حال ہی میں وزیر اعظم سے ملا تھا۔ اس پر کچھ اخباروں نے جو انجمن پر برابر نکتہ چینی کرتے رہتے ہیں، یہ اعتراض جڑ دیا کہ اس وفد کو اُتر پردیش کی حکومت سے ملنا چاہیے تھا۔ وزیر اعظم سے ملنے کی ضرورت نہ تھی۔ خیر ان لوگوں کو تو انجمن پر اعتراض کرنے میں ہی خوشی ہوتی ہے، مگر ہم یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ سہ لسانی فارمولے کے سلسلے میں سب سے پہلے مرکز نے ہی یہ وضاحت کی تھی کہ تیسری زبان کے طور پر کوئی جدید ہندوستانی زبان پڑھائی جانی چاہیے۔ اب اگر مرکز ریاستی حکومتوں کو مشورہ دیتا ہے تو ہمارا فرض تھا کہ ہم مرکز کو بتاتے کہ ریاستی حکومتیں اس مشورے پر عمل نہیں کر رہی ہیں اور من مانی کارروائی کر رہی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو نہ صرف ہندوستان کے وزیر اعظم ہیں بلکہ ملک کے ذہنی قاید اور معمار اعظم ہیں۔ معمار اعظم کے علم میں یہ لانا ضروری ہے کہ کہاں اس کی ہدایت کے مطابق کام نہیں ہو رہا ہے۔ ریاستی حکومت ویسے ثانوی تعلیم کے معاملے میں آزاد ہے، مگر عام تعلیمی پالیسی کے متعلق ہدایات تو

اس اشاعت میں

مرکز ہی دیتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ اُتر پردیش میں نئی وزارت اب بنی ہے اور ابھی اس میں اور لوگ بھی شامل ہوں گے گویا ریاست کے کاموں پر سنجیدگی سے توجہ کچھ دن بعد ہو سکے گی۔ ان لوگوں کے سامنے معاملہ لے جانے کے معنی یہ سمجھئے کہ عرصے تک کوئی کارروائی نہ ہو۔ حالاں کہ سہ لسانی فارمولے میں اصلاح فوراً ہونی چاہیئے۔ ہمیں خوشی ہے کہ لسانی اقلیتوں کے کمشنر نے بھی اس سلسلے میں حکومت کو توجہ دلائی ہے۔ امید ہے کہ اس کا اچھے نتائج جلد نکلیں گے۔ یہاں اعتراض کرنے والوں کو تو کوئی نہ کوئی بہانہ ملنا ہی چاہیئے۔ نہ ملے گا تو یار لوگ گڑھ لیں گے۔

سیر بین

اکتوبر شروع ہو گیا۔ راتیں خوش گوار ہونے لگیں۔ پانی خوب ٹھنڈا ہونے لگا۔ مرغابیوں اور قازوں کی آمد کی خبریں آنے لگیں۔ بیرونی مہمانوں کے خیر مقدم کے لئے دہلی کے ہوٹلوں میں انتظامات شروع ہو گئے۔ کان فرنسوں کا موسم آگیا۔ چنانچہ سائنس کانگریس کا اجلاس دہلی میں ہو رہا ہے۔

اُتر پردیش کو یہ فخر تھا کہ ۱۹۴۷ء میں پہلی خاتون وزیر مسز پنڈت ہوئی تھیں۔ اب پہلی بڑی وزیر [illegible] شریمتی سچیتا کرپلانی مقرر ہوئی ہیں۔ خدا جانے پھر اُتر پردیش کو وزیر اعظم "پچھڑا ہوا صوبہ" کیوں کہتے ہیں۔ اب اس سے زیادہ ترقی پسندی کیا ہو گی کہ مردوں کو نظر انداز کر کے ایک خاتون کو وزیر اعلیٰ بنایا گیا ہے۔ پھر وہ بھی اُتر پردیش کی رہنے والی نہیں۔ آچاریہ کرپلانی سندھی ہیں سچیتا کرپلانی بنگالی ہیں جو اب اتر پردیش کی وزیر اعلیٰ چنی گئی ہیں۔ قومی یک جہتی کی اس سے بڑھ کر مثال کیا ہو گی۔ کیا ہوا اگر ریاست میں گروہ بندی سے صنعتی ترقی خاطر خواہ نہیں ہوئی۔ منصوبے کے مطابق کام نہیں ہوا۔ خواندگی کی شرح بھی نمایاں طور پر نہیں بڑھی۔ کسی بات میں تو اُتر پردیش سب سے آگے ہے۔

خبر ملی ہے کہ انگلستان کے چند ممتاز نقادوں کا بھی اب یہ خیال ہے کہ شیکسپیئر سے جو کلام منسوب ہے وہ کسی اور کا ہے۔ ہم تو یہ سنتے آئے تھے کہ یہ نہ دیکھو کون کہتا ہے ہاں یہ ضرور دیکھو کہ کیا کہتا ہے۔ دنیا جس کلام پر سر دھنتی ہے وہ خواہ بیکن کا ہو، خواہ مارلو کا خواہ ایسکس کا، خواہ کسی اور کا، یہ اُن لوگوں پر چھوڑ دیئے جو تحقیق کے مرد میدان ہیں۔ اُن کے لئے بھی تو کوئی نہ کوئی مشغلہ چاہیئے۔ بہرحال جس کا بھی ہو خوب ہے اور دنیا کو محبوب ہے۔ شاید اسی لئے شیکسپیئر کی قبر کو کھولنے کی تجویز وہاں کے لوگوں نے بھی نامنظور کر دی ہے۔

کانگریس کی ہائی کمان بھی خوب ہے۔ اُس نے حکم لگا دیا ہے کہ کسی وزارت میں بیس سے زیادہ وزیر نہ ہوں گے اب ان کے تین گریڈ بھی نہ رہے۔ دو ہی رہ گئے یعنی کابینہ کے وزیر اور اسٹیٹ کے وزیر۔ بھلا یہ کوئی بات ہے۔ وزیروں کی اتنی تعداد تو ہونی چاہیئے کہ اچھا خاصا مجمع معلوم ہو۔ اگر وزیر صرف بیس ہوں گے تو وزیر اعلیٰ سب کو ذاتی طور پر جان جائے گا۔ اگر زیادہ ہوں گے تو ڈاکٹر کاٹجو جیسے اور لوگ بھی ملنے لگیں گے۔ سنا ہے ڈاکٹر کاٹجو سے اُن کے ایک پارلیمنٹری سکریٹری ملے۔ انھوں نے بالکل نہیں پہچانا اور نام پوچھا۔ جب انھوں نے نام بتایا تو ہنس کر کہنے لگے کہ اس نام کا ہمارا ایک پارلیمنٹری سکریٹری بھی ہے۔ اُس بے چارے کو یہ جتانے کی بھی ہمت نہ ہوئی کہ میں وہی بدنصیب ہوں۔

ڈاکٹر زور مرحوم کی نئی کتاب

ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد کے پریس نوٹ کے مطابق ڈاکٹر زور مرحوم کی پہلی برسی (۲۴ر ستمبر ۱۹۶۳ء) کے موقع پر ڈاکٹر گوپی چند نارنگ (دلی) کی مرتبہ کتاب "ادبی تحریریں" شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر زور کے مختلف ادبی اور تاثراتی مضامین کا دلچسپ مجموعہ ہے۔

شاخ انجمن شیرگھاٹی

انجمن ترقی اردو شاخ شیرگھاٹی (گیا) کے دو جلسے بالترتیب ۸ر ستمبر و ۲۲ر ستمبر ۶۳ء کو زیر صدارت ڈاکٹر سید شفیع الدین صاحب صدر انجمن منعقد ہوئے۔ (۱) سہ لسانی فارمولے کے تحت سکریٹری نے شیرگھاٹی اردو پرائمری اسکول کھولنے کی تجویز رکھی جسے سب نے بنظر استحسان دیکھا اور فوری طور ایک مڈل اسکول آئندہ سال کے آغاز سے قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور سکریٹری نے اپنا مکان عارضتاً اسکول کو دینے کا اعلان کیا۔ اس سلسلے میں ضروری معاملوں و مرحلوں کو طے کرنے کے لئے ایک کمیٹی صدر موصوف کے تحت بنائی گئی اور اس کی ساری ذمہ داری کمیٹی مذکور کو سونپ دی گئی۔ (۲) تجدید ممبر سازی اور انجمن کے نئے انتخابات کے لئے چار نفوس پر مشتمل علیحدہ ایک کمیٹی بنائی گئی۔ (محمد اجمل، سکریٹری)

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ

کولمبس کی دنیا سے

مکرمی، آپ کا نوازش نامہ ملا تھا۔ "ہماری زبان" شروع میں ایک دو مہینے نہیں ملا۔ اب پابندی سے مل رہا ہے۔ خط کے جواب میں تاخیر کا سبب آپ ہی کا تقاضا ہے۔ آپ نے وہاں کے حالات معلوم کئے ہیں۔ ان کا سلسلہ تو زلفِ محبوب سے بھی دراز ہے۔ کیا لکھوں اور کیا نہ لکھوں۔ ہاں کچھ تاثرات اور کچھ ادھر ادھر کی باتیں لکھتا ہوں۔ جنوری کی سخت سردی میں جب میں نیویارک پہنچا تو برف کی چادر میں لپٹی ہوئی ہر چیز خاموشی کی تصویر نظر آتی تھی۔ ہر طرف ہلکی ہلکی دھند تھی۔ جب اجنبیت کی یہ دھند چھٹی تو پہلی ہی نظر میں فلک بوس عمارتوں، چمکتی ہوئی وسیع سڑکوں اور زناٹے سے گزرتی ہوئی موٹروں کی میلوں لمبی قطاروں سے امریکہ کی عظمت کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ لیکن امریکہ ـــــ حسین امریکہ" کے نقش کہیں مہینوں کے بعد واضح طور پر سامنے آئے۔ قدیم تہذیب کے پرستاروں کے لئے جو بات روم میں اور غالب کے لئے جو کشش کلکتہ میں تھی، جدید ذہن کے لئے وہی جاذبیت امریکہ میں ہے ـــــ افراط، آزادی اور کامرانی کا گہوارہ؛ حسن و شباب اور سرخوشی کی سرزمین؛ مفکروں، مصنفوں اور دانشوروں کا دیار! یہاں کے لوگ اپنی کامیابیوں پر نازاں ہیں، لیکن بحیثیت مجموعی اپنی برتری سے بددماغ نہیں ہوئے؛ بلکہ چاہتے ہیں کہ دوسری قوموں سے زیادہ سے زیادہ قریب ہوں اور آزادی و جمہوریت کی برکتوں کو عام کرنے میں انھیں بھی اپنا شریک کار بنائیں۔

امریکہ میں ایک غیر ملکی کو جو چیز سب سے زیادہ متاثر کرتی ہے، وہ ان لوگوں کی کڑی محنت ہے۔ خدا کے ساتھ ساتھ (اور شاید خدا سے بھی زیادہ) یہ جس چیز پر ایمان لاتے ہیں، وہ "فلسفۂ محنت" ہے۔ محنت مزدوری اور ہاتھ کے کام کو برا نہیں سمجھا جاتا۔ اس میں لاکھوں ڈالر سالانہ کمانے والے منیجروں، تاجروں یا سیاست دانوں کسی کی قید نہیں۔ میرے ایک پڑوسی نے حال ہی میں اپنا مکان خود تعمیر کیا ہے۔ دوسرے نے اپنا سارا فرنیچر خود بنایا اور پالش کیا ہے۔ پچھلے ہفتے میں ایک معزز پروفیسر سے ان کے مکان پر ملنے گیا تو معلوم ہوا کہ ہتھوڑی ہاتھ میں لئے کتابوں کے لئے نئے شیلف لگا رہے ہیں اور جوڑ ٹھونک رہے ہیں۔ ایک دن کامرس ہال میں انڈونیشی رقص کا پروگرام تھا۔ وہاں سے نکلا تو سامنے گیلری میں وہ شخص جس کے مکان میں میں کرایہ دار ہوں، جھاڑو ہاتھ میں لئے صفائی کر رہا تھا۔ مجھے بات کرنے میں جھجک ہوئی تو اس نے "ہیلو" کیا اور بتایا کہ ہفتے کو چونکہ دفتر سے چھٹی ہوتی ہے، اس لئے شام کو یہاں صفائی کا کام کرتا ہوں۔ ایک دن وسکانسن یونیورسٹی کے توسیعی پروگراموں کے ڈائرکٹر کے ہاں دعوت تھی۔ ان کی بیگم نے کھانے کی میز پر فخریہ یہ خبر سنائی کہ ان کا بڑا لڑکا جو ریاضی کا طالب علم ہے اپنی روزی خود کمانے لگا ہے اور ہفتے میں چار دن آٹھ بجے سے دو بجے رات تک ایک ریسٹوران میں میزیں صاف کرتا ہے۔ بیشتر طالب علم اپنا تعلیمی خرچ اسی طرح چلاتے ہیں۔ ویٹر کا کام کرنا، پلیٹیں دھونا، کمرے جھاڑنا، ڈاک لگانا، اخبار کا پریس چلانا، لائبریری میں کتابیں ڈھونا، سڑکیں صاف کرنا، کوئی بھی کام معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ یونیورسٹی میں کوئی چپراسی، کوئی نوکر، کوئی خدمت گار نہیں۔ استاد ہیں یا طالب علم یا پھر شعبے کے سکریٹری۔ اور اکثر و بیشتر تو سکریٹری بھی طالب علم ہوتی ہے یا پھر اس کا خاوند اس کی فیاضی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تعلیم جاری رکھتا ہے اور وہ کام کرتی ہے۔ (یونیورسٹی چھوڑنے سے پہلے دامِ عشق میں گرفتار ہو کے شادی کر لینا یہاں تعلیمی زندگی کی عام ٹریجڈی ہے!)

یہاں کے لوگ جی بھر کے جینے کا ہنر جانتے ہیں۔ مصیبت یہی ہے کہ اسی جینے ہی سے انھیں فرصت نہیں ملتی۔ ہمارے ہاں عام آدمی دن کو جیتا اور رات کو مرجاتا ہے۔ رہے شاعر تو ان کے لئے:

صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

یہاں کے صبح شام اور دن رات دوسرے ہیں۔ اصل زندگی رات ہی کو شروع ہوتی ہے اور پلک جھپکتے ہی رات جاتی ہے۔ عہد وسطیٰ میں جام و دلآرام کے ساتھ ساتھ زندگی سمٹ جاتی تھی۔ یہاں اس پر "کام" کا اضافہ کیا ہے اور اس سے پوری تقدیر بدل گئی ہے۔ دن بھر کام اور رات بھر تفریح اس دیار کا دستور ہے۔ جی بھر کے سوتے یہ غالباً اتوار ہی کو ہیں۔ یہ محنت پر یقین ہی کا نتیجہ ہے کہ ایک نیم آباد اور نیم وحشی ملک کو دیکھتے دیکھتے انھوں نے آج "جنتِ ارضی" میں تبدیل کر دیا ہے۔ شہر، سڑکیں، جھیلیں، باغات، ساحلی علاقے، کھیت کھلیان، شہر، مارکیٹ، بازار، اسٹور، اسکول، یونیورسٹیاں ہر چیز دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ البتہ جنوبی حصے میں وہ بات نہیں جو شمالی ریاستوں میں ہے۔ وہاں حبشیوں کو

حقوق دینے کا مسئلہ بھی امریکی جمہوریت اور مساوات کے لئے سوالیہ نشان بنا ہوا ہے۔ انھیں حقوق دینے اور محدود ایسی معاوضے پر رضامند ہونے کے بارے میں ہر صحیح الذہن امریکی صدر کینیڈی کی پالیسیوں کا ہم نوا ہے لیکن دوسری جنگ عظیم کی کوکھ سے پیدا ہونے والے کچھ شر پسند ابھی زندہ و توانا ہیں اور ان کی "آزادیِ اظہار" کا آتش فشاں ہمیشہ زہر اگلتا رہتا ہے۔ ان باتوں سے قطع نظر ہم مشرقی لوگوں کی نظر میں ان کی سب سے بڑی کمزوری مادہ پرستی اور لذت اندوزی ہے۔ ہم چونکہ اقتصادی طور پر پچھڑے ہوئے ہیں اور صنعتی کم مائگی کا شکار ہیں، تصورات کی جنت آباد کر لیتے ہیں اور مادیت پرستی پر جرح کرتے ہوئے بعض ایسی قدروں کا بار بار ماتم کرتے ہیں جو اس دور میں خواب و خیال سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں۔ ہر نظام اپنی قدریں اپنے ساتھ لاتا ہے۔ نئے نظام سے ابھی چونکہ پوری مطابقت پیدا نہیں کی جا سکی اکثر ہم ہی میں آسودگی محسوس کر لی جاتی ہے۔ "فرصت کے وہ رات دن اب کہاں جب تصورِ جاناں کے سہارے زندگی بسر ہوتی تھی۔ اب تو ہر قدم پر تصور کو "کیش" کرانا پڑتا ہے۔ ابھی پوری دنیا صنعتی ـــ مادی رنگ میں مکمل طور پر نہیں رنگی گئی اور اقدار کا موجودہ تضاد ناگزیر ہے۔ ان سے قطع نظر یہاں کے لوگ اپنی کمزوریوں اور "ہنگامی کلچر" (MASS CULTURE کے لئے شاید اس سے بہتر اصطلاح وضع کی جا سکے) کی خرابیوں سے ہم سے زیادہ واقف ہیں۔ انسان اپنے رنگ ڈھنگوں کا غلام ہے۔ زندگی عمل اور ردِ عمل کے درمیان ٹھوکر کھاتی ہوئی آگے بڑھتی ہے۔ توازن کی تلاش ہر زمانے میں جاری رہی ہے۔ مہاتما بدھ نے صحیح خیال، صحیح عمل اور صحیح جذبے کی جو تلقین کی تھی اسے نہ تو ان کے زمانے میں زندگی نے پوری طرح قبول کیا اور نہ ڈھائی ہزار سال کے ارتقائی سفر ہی میں اسے کوئی مستقل صورت دی جا سکی ہے۔ اس وقت دنیا میں یا تو ایسے سماج ہیں جہاں بھوک یا جبر غالب ہے یا پھر ایسے جہاں ہوس کی رنگینیاں غالب ہیں۔ توازن کی "دنیا" شاید تصور کے حسین پردے ہی پر ظاہر ہو سکتی ہے۔ قدروں کے اس تضاد میں امریکی قوم کو جس چیز نے فی الحال بچایا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ یہ لوگ آرام کے ساتھ ساتھ کام کو نہیں بھولے۔ محنت اور تفریح کا امتزاج ان کی زندگی کا سب سے دلچسپ پہلو ہے۔ ان کا کام دیکھئے تو احساس ہوتا ہے کہ آدمی نہیں جن ہیں اور تفریح کا دور کو دیکھئے تو ہر دور کا تصور بھی گرد معلوم ہوتا ہے۔ زندگی کے ساز و سامان اور آلات و اسباب کی وہ کثرت ہے کہ حیرت ہوتی ہے کہ اس سے بڑھ کر خوشحالی اور ترقی اور کیا ہو سکتی ہے۔

سردیوں میں پورا شمالی امریکہ یخ بستہ ہو جاتا ہے۔ اس زمانے میں برف کو دیکھتے ہوئے وحشت ہوتی تھی کہ کبھی یہاں بھی کونپلیں پھوٹیں گی۔ اب دیکھتے ہی دیکھتے بہار آئی ہے اور موسم نے کروٹ لی ہے تو دنیا ہی بدل گئی ہے۔ جیسے دیکھئے عارضۂ بہار (Spring fever) میں مبتلا نظر آتا ہے۔ شاہراہیں امریکہ کے حسن، دولت اور فراوانی کا بہترین منظر پیش کرنے لگی ہیں۔ میلوں تک کاریں ہی کاریں نظر آتی ہیں۔ جھیلوں کے کناروں پر پرستانوں کا گمان ہوتا ہے۔ موٹر کشتیوں نے پانی کے سینے میں شگاف ڈال دئے ہیں۔ واٹر سکی رنگ (Water Skiing) کے شائقین جھاگ کے بادل اڑا رہے ہیں۔ جگہ جگہ رنگا رنگ چھتریاں تن گئی ہیں۔ دھوپ کا سونا اور جسموں کی چاندی چھلکنے لگی ہے اور حسینانِ نازک اندام خوشنما لباسوں میں زندگی کا دھارا بڑھانے لگے ہیں۔

گرمیاں شروع ہوتے ہی یونیورسٹیاں بند ہو جاتی ہیں۔ پچھلے تعلیمی سال میڈیسن میں اُردو کے تین کورس پڑھائے گئے۔ اگلے سال سے جدید اردو ادب اور اُردو صرف و نحو پر دو نئے کورسوں کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔ اُردو کا کام کئی یونیورسٹیوں میں زمانے سے جاری ہے۔ کینیڈا اور جزائر ہوائی کو ملا کر اُردو۔ ہندی دس بارہ یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی ہے (ان کاموں کی تفصیل کسی دوسرے خط میں لکھوں گا) "وسط مغربی یونیورسٹیوں" میں میڈیسن کے علاوہ شکاگو بھی اُردو اور ہندی تعلیم کا اہم مرکز ہے۔ اپریل میں مجھے اس شہرۂ آفاق علمی درسگاہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا میرا لکچر "اُردو مثنویاں اور ہندوستانی سماج" کے عنوان سے ہوا۔ شکاگو کے اُردو اور ہندی اساتذہ میں سب سے دلچسپ شخصیت چودھری محمد نعیم کی ہے جو نہایت خاموشی اور خلوص سے اُردو کی خدمت میں مصروف ہیں۔ میرے زمانۂ قیام میں انھوں نے ایک پُرلطف مشاعرے کا انتظام کرایا اور اُردو غزل پر ایک سیمنار کی ابتدا بھی کی جس کی پہلی صحبت میں میں شرکت کر سکا۔ نعیم صاحب اور ان کے ساتھیوں نے حال ہی میں ایک سہ ماہی انگریزی رسالہ "محفل" کے نام سے جاری کیا ہے۔ اس میں اردو، ہندی، اور برصغیر کی دوسری زبانوں کے ادبی شاہکار انگریزی ترجمے میں پیش کئے جائیں گے۔ میڈیسن میں اُردو سوسائٹی کا قیام عمل میں آچکا ہے جس کا افتتاح مئی میں محفلِ شعر و سخن سے ہوا تھا۔ اردو کے کلاسیکی اور جدید شعرا کا کلام بے حد پسند کیا گیا۔ وسکانسن یونیورسٹی کی تاریخ میں یہ اپنی قسم کا پہلا اجتماع تھا۔

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

ریڈیو کی زبان کی نئی پالیسی بھی غیر تسلی بخش

ہندوستان ٹائمز کے ریڈیو فارم سے۔ آل انڈیا ریڈیو پر استعمال ہونے والی زبان کے متعلق سری پرکاش کمیٹی کی رپورٹ کی منظوری سے زبان کی پالیسی نے ایک اور منزل طے کر لی ہے۔ آل انڈیا ریڈیو سے جو زبان ہندی خبروں کے لئے نشر ہوتی ہے اُس پر (جہاں تک میری یاد کا تعلق ہے) برابر حملے ہوئے ہیں۔ اور میرے خیال میں موجودہ پالیسی بھی ہر ایک کو مطمئن نہیں کر سکے گی۔

سری پرکاش کمیٹی نے مشورہ دیا تھا کہ زبان کی اصلیت کو برقرار رکھتے ہوئے زبان آسان اور قابل فہم ہونا چاہئے جس کو عوام آسانی سے سمجھ سکیں۔ کیونکہ ناقد اور معترض اپنے ہی آئینے میں دوسروں کی شکلیں دیکھتا ہے اس لئے ہم کو اس پالیسی میں ابھی بہت سی تبدیلیاں دیکھنا پڑیں گی اگر یہ یقین کر لینا ممکن ہوتا کہ ہر تبدیلی ترقی کا باعث ہوتی ہے تو غلط فہمی پیدا ہونے کا کوئی خطرہ نہ تھا مگر کیونکہ یہ ممکن نہیں اس لئے یقین کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔

ایک زمانہ ایسا بھی تھا جب کہ فارسی آمیز اردو ہندی کے طور پر نشر ہوتی تھی۔ اس سے ہندی کے انشا پردازوں اور ہندی بولنے والے دانشمندوں نے وسیع پیمانے پر عدم تعاون کا اظہار کیا۔ اس کے جواب میں سنسکرت آمیز زبان کی تبدیلی واقعات کے لازمی نتیجے کے طور پر عمل میں آئی۔ ہر بحث میں عوام کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ پھر بھی زبان کے مشکل اور سخت ہونے کے بنیادی اسباب پر کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔

غزل

نشور واحدی

دھڑکنیں دل کی گنیں، خوں میں روانی مانگے
زندگی عشق کی اے دوست جوانی مانگے
پیش کر داغ اگر دل پہ کوئی کھایا ہو
عشق ہر عاشق صادق سے نشانی مانگے
زلف شبگوں ترے شانے پہ کھلی ناگن ہے
ڈس لے یہ جس کو نہ پھر اُٹھ کے وہ پانی مانگے
آدمی عہد جوانی میں رہا ____ منکر غم
اب غم دل کی خبر ہے تو جوانی مانگے
میکدے میں مرے ساقی کا نیا حکم یہ ہے
شام کو پیاس لگے، صبح کو پانی مانگے
حسن ہر گام پہ قائم کرے اک تازہ حجاب
عشق پردے کی یہ دیوار گرانی مانگے
دن کو سوئی ہوئی جلتی ہے محبت کی خلش
رات کو چاند ستاروں کی کہانی مانگے
کیا نئے دوست نوازوں کا بھروسہ ہے نشور
دوستی ہے کہ وہی رسم پرانی مانگے

تراجم

خواہ تراجم ہوں یا خبریں اگر وقت کے تقاضوں کا لحاظ کئے بغیر لکھی جائے گی تو قابل سے قابل مترجم کے ہاتھ سے بھی ان کا ادق اور عام معیار سے بلند تر ہو جانا لازمی ہے۔ آل انڈیا ریڈیو نے ابھی تک ہندی میں اصل خبریں حاصل کرنے کا کوئی معقول انتظام نہیں کیا ورنہ میری رائے میں صرف اسی طرح ریڈیو سے نشر ہونے والی خبروں کی زبان کا یہ الجھا ہوا مسئلہ حل ہو سکتا تھا۔ حیرت ہے کہ سری پرکاش کمیٹی نے مسئلے کے اس پہلو پر غور نہیں کیا۔

خبروں کی زبان پر تو مسلسل حملے اور رائے زنی ہوتی رہتی ہے مگر ریڈیو ٹاک، ڈراموں اور فیچرس کی دہشت ناک زبان اور طرز بیان پر پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں کبھی کوئی اظہار رائے اور تنقید و تبصرہ نہیں کیا جاتا۔

آل انڈیا ریڈیو نے اب عام بول چال کے ایسے الفاظ کا باقاعدہ بتانا بھی چھوڑ دیا جو نشریات کے لئے مثالی الفاظ کا کام دیتے تھے۔ کچھ تو ریڈیو پر بولنے والے با اثر حضرات کی غیر معقول ناراضی کے ڈر سے اور کچھ اپنی عام بے پروائی اور غفلت کی بنا پر آل انڈیا ریڈیو نے الفاظ کے انتخاب کے حقوق سے بھی بالکل دست برداری اختیار کر لی۔ ٹاک کرنے والوں کی نشری قابلیت اور وجدانی امتیاز کو نظر انداز کر کے صرف ان کے ناموں کو اہمیت دی جاتی ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہندی میں مشکل سے ہی کوئی ایسی ٹاک ہوتی جس کو اچھی نشری تقریر کہا جا سکے۔ یہ زیادہ تر ایسے مضامین ہیں جو اپنے طرز بیان کے اعتبار سے صرف ادبی رسالوں میں شائع کرنے کے قابل ہیں۔

مراسلات

اصلاح غزلیات مندرجہ
نوادرِ اقبال

علامہ اقبالؒ کی ابتدائی غزلوں میں جس غزل کا مندرجہ ذیل شعر ؎

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

بہت مشہور ہے۔ نوادرِ اقبال مرتبہ عبد الغفار شکیل صاحب میں اس کے بعض اشعار غلط طور پر درج پا گئے ہیں (ص ۳۱-۳۰)

غزل ۳

اشعار مندرجہ نوادر اقبال	اصلاح مطابق سرود رفتہ وغیرہ
(۱) جادو نگاہ چشم خریدارِ دل ہی تھا	(۱) جادو عجب نگاہِ خریدارِ دل ہی تھا
کیا کیا ہے ساتھ بیچنے والا بھی مال کے	....
(۲) ہم موت مانگتے ہیں وہ گھبرائے جاتے ہیں	(۲) ....
سمجھے کسی نے اور ہی معنی وصال کے	سمجھے انہوں نے اور ہی معنی وصال کے
(۳) مانے ہری آسماں نے مجھے تاک تاک کر	(۳) ....
کیا ہی نشان تیر کمانِ ہلال کے	کیا بے خطا ہیں تیر کمانِ ہلال کے
(۴) بگڑے میاں شوخیٔ رفتار سے کہیں	(۴) بگڑے میاں شوخیٔ رفتار سے کہیں
چلتے نہیں وہ اپنا دوپٹہ سنبھال کے	....
(۵) تصویر میں نے مانگی تو ہنس کر دیا جواب	(۵) ....
عاشق ہوئے تھے تم تو کسی بے مثال کے	عاشق ہوئے ہو تم تو کسی بے مثال کے

غزل ۵

حشر میں کچھ تو انہیں حسن پہ ہوگی امید	حشر میں کچھ تو تمہیں حسن پہ ہوگی امید
مجھ مرا شکوہ ذکرے کا بھرو سا ہوگا	....

اس غزل کا مندرجہ ذیل شعر شکیل صاحب نے حذف کر دیا ہے:

نامہ بر کام تو باتوں میں بنا کرتے ہیں
مان جائیں گے اگر تجھ کو سلیقہ ہوگا

غزل ۶

عبادت میں زاہد کو مسرور رہنا	....
مے پی کے تھوڑی سی مخمور رہنا	مجھے پی کے تھوڑی سی مخمور رہنا

اس غزل کا بھی مندرجہ ذیل شعر نوادر اقبال میں حذف ہو گیا ہے:

دم آخر تعش ہدایت تھی دل کو
کلیم تماشائے ہر طور رہنا

(محمد بشیر الحق دسنوی)

چند باتیں

(متعاقب "ہماری زبان" مورخہ ۸ ستمبر)

۱- اس بار کا اداریہ ہم اردو والوں کے لئے تحریکی حیثیت رکھتا ہے۔ اخبار میں مضامین لکھنا، حکومت پر الزام عائد کرنا، اکثریت کو گالی دینا ــــــ بات یہیں ختم نہیں ہو جانا چاہئے دھڑا دھڑ اُلٹے سیدھے مشاعرے کرنا، گندے، فحش، غیر مفید رسالے نکال نکال کر عوام کے ذوق کو بگاڑنا، گندی ناول نگاری کے ذریعہ جنس پروری کرنا اور نوجوانوں کی صحت بگاڑنا ــــــ ان سب سے بھی تو اردو کو نقصان پہنچ رہا ہے۔

مبارک ہیں وہ ہستیاں جو اردو کی ترویج میں عملی حصہ لے رہی ہیں!

۲- دستار قدموں پر محترم جناب سلطان احمد صدیقی صاحب کے! لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ ہر ہر کالج، ہر یونیورسٹی، ہر ہر اسکول میں یہی بہانہ تراشا جانے لگے گا، ہم اور آپ اپنی اردو دوستی میں مست اعزازی طور پر مدرس کا کام کرنے لگیں گے! اردو پڑھنے والے بے روزگاری کا رونا روتے رہیں گے۔

۳- اردو تحریروں میں آج کل انگریزی لفظ "ڈکشن" کا استعمال چل پڑا ہے، یہ بات اچھی نہیں۔ ڈکشن کو قوسین میں رکھ کر انتخاب لغات یا انتخاب الفاظ کی ترویج کی کوشش کی جانا چاہئے۔

(کوئی ہے)

اعلان: "ٹیلس آف اردو میٹرس"

پندرہ، سولہ صفحات پر مشتمل ایک چھوٹا سا رسالہ اس عنوان سے انگریزی میں مرتب کیا گیا ہے۔ اگر کوئی بڑا ادبی ادارہ اسے شائع کرنے پر راضی ہو تو میں بھی تحفتہً دینے پر راضی ہوں۔ حط و کتابت انجمن ترقی اردو (ہند)، علی گڑھ سے۔ (اقبال کرشن)

شاگرد غالب ــــــ طالب اکبرآبادی

ٹلام سنٹرل انڈیا (موجودہ علاقہ مدھیہ بھارت) سے "گلشن داغ" نامی ایک گلدستہ شائع ہوا کرتا تھا۔ اس کی اشاعت بابت ماہ اگست ۱۸۹۶ء میں صفحہ ۱۱ پر ایک طرحی غزل جناب ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب طالب اکبرآبادی متعینہ شفاخانہ اجمیر شریف تلمیذ حضرت غالب مرحوم کی شائع ہوئی ہے۔

مجھے "تذکرہ شعرائے اجمیر" کے لئے طالب اکبرآبادی کے حالات کی تلاش ہے۔ اگر کوئی صاحب زحمت فرما کر "ہماری زبان" میں ان کے حالات پر روشنی ڈالیں تو اس زحمت کے لئے میں ان کا شکرگزار رہوں گا۔

(سید فضل المتین)

"توارد"

آج کل ادبی رسائل کا مطالعہ کرتے وقت کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے بڑے اور مشہور شعراء کا اندازِ فکر بالکل یکساں انداز کا ہو گیا ہے۔ یعنی وہ ہم جذبہ اور ہم خیال تو ہیں ہی، لیکن ایک ہی جذبہ اور ایک ہی خیال کا اظہار وہ نہ صرف ہم زباں ہو کر کر رہے ہیں بلکہ تقریباً ہم الفاظ بھی ہو گئے ہیں۔ مثلاً:

ایک مشہور شاعر کے اشعار ہیں:

اور کون جانے گا تیری بزم کے آداب
ہم نے دل دیا بھی ہے ہم نے دل لیا بھی ہے
دل کو بھائے جاتی ہے ایک اک ادا ان کی
یارب اس محبت کی کوئی انتہا بھی ہے
پھیر لی ہے جو مجھ سے آہ وہ نظر تیری
اس جفا کو کیا کہئے جو تری وفا بھی ہے
عاشقی کے فن میں یہ دیکھ کام (.....) کے
بندۂ بتاں بھی ہے مردِ باخدا بھی ہے

مطبوعہ تحریک دہلی اگست ۵۹ء

دوسرے ممتاز شاعر فرماتے ہیں:

میرے عشق کامل میں حسن بھی ادا بھی ہے
میں نے دل دیا بھی ہے میں نے دل لیا بھی ہے
عقل و آگہی بھی گم، ہوش و بیخودی بھی گم
تیری یاد کی اے دوست کوئی انتہا بھی ہے
شکر کیا شکایت کیا خیر ہو محبت کی
وہ جو دشمنِ جاں ہے یار باوفا بھی ہے
میکدہ میں رہ کر بھی بے نیازِ مستی
جتنا رند ہے (.......) اتنا پارسا بھی ہے

مطبوعہ فاران کراچی جولائی ۶۲ء

ایک اور مشہور غزل کے چند اشعار ہیں:

یہ مانا زندگی میں غم بہت ہیں
ہنسنے بھی نہ زندگی میں ہم بہت ہیں
نہیں ہے منحصر کچھ فصلِ گل پر
جنوں کے اور بھی موسم بہت ہیں

مطبوعہ سنہ ۵۶ء

ہند و پاک کے ایک مشہور شاعر فرماتے ہیں:

بشر کے ساتھ غم ہی غم نہیں ہے
خوشی بھی ہے یہاں اور کم نہیں ہے
رہی ہے فصلِ گل جب کھل گیا دل
بہار آنے کا اک موسم نہیں ہے

مطبوعہ نقوش لاہور دسمبر ۵۹ء

اب ایک اور مشہور غزل کا حادثہ سنئے۔ یہ غزل جے پور ریڈیو سے مئی سنہ ۱۹۶۰ء میں خود اس کے خالق کی زبانی نشر ہو چکی ہے اور اردو کے مشہور جرائد اسے ریڈیو کی اجازت سے شائع کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ پاکٹ سائز میں دہلی سے شائع ہونے والی کتاب "نظمیں اور غزلیں" کے اردو اور ہندی دونوں ایڈیشنوں کی زینت یہ غزل ہے۔ تو داد دیجئے بھوپال میں رہنے والے ایک کانپوری شاعر کے تخیل کی جن کا اندازِ فکر اور اظہارِ خیال بالکل ہو بہو وہی ہے سوائے مقطع کے اور کہیں ایک لفظ کی تبدیلی ڈھونڈھے سے بھی نہیں ملتی۔ ملاحظہ فرمائیے:-

وہ مشہور غزل

حاصلِ عشق جز اندوہ و وفا کچھ بھی نہیں
اور جو کچھ ہے تو سب ان کا ہے مرا کچھ بھی نہیں
جو خدا دے تو بڑی چیز ہے احساسِ جمال
لیکن اس راہ میں ٹھوکر کے سوا کچھ بھی نہیں
اس طرح سے مجھے برباد کیا ہے اس نے
رہ گیا کچھ بھی نہیں اور رہا کچھ بھی نہیں
یہ ترا حسن یہ گلشن یہ بہاریں یہ جہاں
سب مرے پردۂ غفلت کے سوا کچھ بھی نہیں
کر دیا مست مری جرأتِ رندی نے مجھے
ورنہ تیرے لبِ شیریں کا مزا کچھ بھی نہیں

...کانپوری صاحب فرماتے ہیں:

حاصلِ عشق جز اندوہ و وفا کچھ بھی نہیں
اور جو کچھ ہے وہ سب ان کا، مرا کچھ بھی نہیں
جو خدا دے تو بڑی چیز ہے احساسِ جمال
لیکن اس راہ میں ٹھوکر کے سوا کچھ بھی نہیں
اس طرح سے مجھے برباد کیا ہے اس نے
رہ گیا کچھ بھی نہیں اور رہا کچھ بھی نہیں
یہ ترا حسن یہ گلشن یہ بہاریں یہ جہاں
سب مرے پردۂ غفلت کے سوا کچھ بھی نہیں
کر دیا مست مری جرأتِ رندی نے مجھے
ورنہ تیرے لبِ شیریں کا مزا کچھ بھی نہیں

میں نہ دیکھوں تو ترے حسن کی قیمت کیا ہے
میں نہ تڑپوں تو یہ انداز جفا کچھ بھی نہیں
نشر ہوا جے پور ریڈیو سے ۱۹۵۶ء
مطبوعہ "نظمیں اور غزلیں" دہلی
اور مختلف جرائد مع شفق،
سینٹ جانس کالج میگزین ۔

میں نہ دیکھوں تو ترے حسن کی قیمت کیا ہے
میں نہ تڑپوں تو یہ انداز جفا کچھ بھی نہیں
مطبوعہ "نئی کرنیں" جسے "ادارۂ کاروان
سخن" نے ہیری الیکٹریکلس بھوپال
کے لئے حضرت شفا گوالیاری کی
سرپرستی میں شائع کیا۔

اس سلسلے میں آپ سے صرف اتنی گزارش ہے کہ آپ اپنے اخبار "ہماری زبان" کے ذریعے یہ وضاحت فرمائیں کہ یہ "ہم آہنگی" یا "تصادم" سرقہ ہے یا توارد؟ یا پھر قومی یک جہتی کا نتیجہ؟ اور اگر یہ سرقہ یا استفادہ ہے تو اس کا الزام کس پر عائد ہوتا ہے؟ کیا مشاہیر کے لئے ادبی قانون میں کوئی نکتہ ایسا ہے کہ وہ اپنی شہرت کا ناجائز فائدہ اٹھائیں؟ اور دوسروں کے مضامین الفاظ بدل کر موزوں کرتے رہیں؟ کیا ادب میں ان کا کوئی مقام ہے؟

میں ہندوپاک کے دوسرے ارباب فکر و نظر سے بھی گزارش کرتا ہوں کہ وہ اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں۔

(متین فریدی جنرل سکریٹری بزم اردو آگرہ)

یہ کس کا شعر ہے

کچھ تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے انداز
اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں

بعض لوگ اسے داغ کی طرف منسوب کرتے ہیں مگر داغ دہلوی کے کسی مطبوعہ دیوان میں درج نہیں ہے۔

(پروفیسر یوسف بلخی)

مشورے

"ہماری زبان" کا انگریزی ایڈیشن شائع کرنے پر غور کیجئے تاکہ اردو کی آواز حکومت اور ایوان تک پہنچے۔ غیر اردو داں حضرات بھی اردو کی ناانصافی سے واقف ہوں، اور ساتھ ہی اردو کی ترقی اور اہمیت بھی ان پر واضح ہو — پارلیمنٹ میں اردو کی آواز اس وقت پہنچے گی جب کہ انجمن کا انگریزی آرگن بھی ہو۔ ورنہ انجام معلوم۔ (محمد صدیق)

کالج ہتھوا میں بزم ادب

گوپیشور کالج ہتھوا (سارن) میں پروفیسر حضرت حسینی کے زیر صدارت "بزم ادب" کی بنیاد پڑی۔ اس بزم کے ممبران کے نام یہ ہیں:

(۱) صدر: پروفیسر حضرت حسینی۔ (۲) سکریٹری: محمد سلیمان۔ (۳) نائب سکریٹری: فرزند احمد خاں کلاس وار کے نمائندے۔ (۴) محمد مصباح الدین احمد خاں۔ (۵) شیخ محمد یاسین (۶) رشید احمد۔ (۷) شکیل احمد۔

ضلع اردو ابتدائی تعلیم کمیٹی دربھنگہ

دربھنگہ میں ۲۵ ستمبر کو ادارہ قومی تنظیم کے زیر اہتمام ضلع اردو ابتدائی تعلیم کمیٹی کی انتخابی نشست بصدارت جناب نور الہدیٰ صاحب منعقد ہوئی۔ اس نشست کے انعقاد کا خاص مقصد یہ تھا کہ ابتدائی اردو تعلیم کمیٹی کو تقویت پہنچانا ہے۔ حسب ذیل عہدیداران منتخب ہوئے۔ کنوینر: جناب ایس ایم شمر فریدی (مدیر اعلیٰ قومی تنظیم) صدر: جناب نور الہدیٰ صاحب وکیل۔ سکریٹری: قمر اعظم ہاشمی (ایڈیٹر قومی تنظیم) جوائنٹ سکریٹری: جناب محبوب الور۔

مستقل ارکان: جناب مولانا تسلیم صاحب، پروفیسر آغا عماد الدین (صدر شعبۂ سیاسیات، ملت کالج) اور جناب مولانا ظہور احمد صاحب۔

(قمر اعظم ہاشمی سکریٹری)

جامعۂ بنگلہ کی تقریب اسناد

کلکتہ، ۲۴ ستمبر۔ آج صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر رادھا کرشنن کی صدارت میں "دی کنیل بھاروت بانگو بھاشا پرشاد شومی تی" کی ۲۶ ویں سالانہ تقریب اسناد (کانووکیشن) منائی گئی۔ صدر جمہوریہ ہند نے کامیاب طلبہ کو تمغے، ڈپلومے اور سرٹیفکٹ وغیرہ تقسیم کئے۔ شری ہمایوں کبیر نے اپنی استقبالیہ تقریر کے دوران کہا کہ پرشد شومی تی غیر بنگالیوں اور غیر ہندوستانیوں کو بنگلہ زبان کی تعلیم دے کر قومی یک جہتی کے لئے بڑا کام کر رہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ تعریف کی مستحق ہے۔ ریاست کے وزیر اعلیٰ پی سی سین نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ آخر میں شومی تی کے سکریٹری شری جوتش چاندر گھوش نے سالانہ روداد پیش کی۔

(شعبۂ خبر رسانی، انجمن ترقی اردو)

سنسکرت (کے نادان دوست)

سنسکرت کے چند گنے چُنے عالم سنسکرت میں پھر جان ڈال کر زندہ زبانوں میں اس کا مقام پیدا کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً جو کوششیں کرتے رہتے ہیں وہ اکثر حماقت اور سادہ لوحی پر محمول کی جاسکتی ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ مضحکہ خیز وہ تجویز ہے جو مرکزی سنسکرت بورڈ نے حال ہی میں پیش کی ہے۔ بورڈ کا منشاء ہے کہ مرکزی حکومت ایک سنسکرت روزنامہ کا اجرا کرے اور آل انڈیا ریڈیو سے اس زبان میں باقاعدہ خبریں بھی نشر کی جایا کریں۔ ہندوستان میں ایسے لوگوں کی تعداد جو سنسکرت کو اپنی مادری زبان بتاتے ہیں صرف ۵۵۵ ہے، اور جو لوگ سنسکرت کی تقریر و تحریر کو سمجھ لینے کے مدعی ہیں اُن کی تعداد بھی صرف چند ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ لیکن ملک میں لاکھوں آدمی ایسے ہیں جو تحریری ہندی کے سنسکرت نما ہونے اور آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہونے والی خبروں کے ناقابل فہم ہونے کے شاکی ہیں۔

بورڈ کی یہ تجویز سنسکرت کے لئے ایک نئے جوش و جذبہ کی مظہر ہے۔ جس کی تائید کچھ خلاف توقع حلقوں میں بھی بڑی شدومد کے ساتھ کی جانے لگی ہے۔ ڈاکٹر سی پی راماسوامی آئیر جو ایک پختہ دماغ حقیقت پسند انسان ہونے کے ساتھ ساتھ سنسکرت کے حامیوں میں بھی ہیں۔ انھوں نے دیوتاؤں کی اس زبان (سنسکرت) کو آسان اور سلیس بنانے کی وکالت کی ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ صرف سنسکرت ہی ہندوستان کی قومی زبان بن سکتی ہے۔ لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ جب سنسکرت کو آسان بنا لیا جائے گا تو پھر وہ سنسکرت ہی کہاں رہ جائے گی۔ (ٹائمز آف انڈیا)

آل انڈیا ریڈیو کی زبان

۹ ستمبر کو وزیر اطلاعات و نشریات ڈاکٹر ست نراین سنہا نے لوک سبھا میں فرمایا کہ حکومت نے آل انڈیا ریڈیو میں استعمال کی جانے والی زبان سے متعلق سری پرکاشا کمیٹی کی تمام سفارشات کو منظور کر لیا ہے اور تقریباً سب پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ نشریات کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ عام لوگ انھیں سمجھیں اس لئے ان کا سادہ اور آسان ہونا ضروری ہے۔ اگر نشریات میں ادبیت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تو پھر غیر ہندی داں تو در کنار خود ۹۰ فیصد ہندی بولنے والے انہیں نہ سمجھ سکیں گے۔ انگریزی بین الاقوامی طور پر اس لئے قابل قبول ہے کہ اس میں دوسری زبانوں کے الفاظ کو جذب کرنے کی بڑی صلاحیت ہے۔

انجمن ترقی اُردو پیلی بھیت

انجمن کی مجلس منتظمہ کا ایک جلسہ بصدارت جناب عبدالحفیظ نعیمی وکیل منعقد ہوا۔ اس میں حسب ذیل تجاویز منظور کی گئیں۔

۱۔ ایجوکیشن سپرنٹنڈنٹ میونسپل بورڈ پیلی بھیت اور ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولس پیلی بھیت سے دیہات کے مدارس اور اُردو پڑھنے والے طلبہ کی تعداد معلوم کی جائے۔

۲۔ سکریٹری انجمن ہذا نفیس احمد صاحب اور محمد عمر صاحب بہار اُردو کنونشن میں شرکت کریں۔

۳۔ انجمن کا اجلاس ایک ماہ میں ایک بار ضرور ہونا چاہیے۔

(محمد بدر الحسن قادری۔ جنرل سکریٹری)

شاخ دلّی کی ادبی نشست

۱۴ ستمبر کی شام کو مولانا مفتی عتیق الرحمٰن کی صدارت میں انجمن کی ماہانہ ادبی نشست ہوئی، صدر محترم نے اپنے روس کے دورے کے کچھ حالات جنرل سکریٹری کی استدعا پر بیان فرمائے اور یہ علمی خوش خبری بھی سُنائی کہ تاشقند کی لائبریری میں عربی فارسی کی بہترین اور نایاب کتابوں کے نسخے موجود ہیں۔ اس لائبریری کا شمار دنیا کی چند اچھی لائبریریوں میں کیا جاسکتا ہے۔

جناب جگن ناتھ آزاد نے اپنی نئی نظم "احساس ندامت" پیش کی۔ پھر طالب دہلوی نے غزل پڑھی۔ ان پر تنقید کرتے ہوئے حاضرین نے کئی مشورے دیئے۔ اس کے بعد ہیرا لال فلک نے اپنی غزل پیش کی۔

پروگرام کے آخر میں جنرل سکریٹری کی فرمائش پر صابر ابوہری، عزیز وارثی، بہار برنی اور دوسرے شعراء نے اپنے دو دو شعر سنائے۔ پھر جگن ناتھ آزاد اور روش صاحب نے اپنی وہ نظمیں پڑھیں جو آسام کے کل ہند مشاعرے کے لئے بر وقت لکھی تھیں، دونوں نظموں کو حاضرین نے بہت پسند کیا۔

غیر ہندی ریاستوں کے طالبعلموں کو وظیفے

وزیر تعلیم پروفیسر ہمایوں کبیر نے لوک سبھا میں بتایا کہ مرکزی سرکار سنہ ۶۴-۱۹۶۳ء کے دوران ہندی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے غیر ہندی زبان والے صوبوں کے طلبہ کو ۳۰۰ وظیفے دے گی۔

اُردو پڑھانے کے مطالبے پر مباحثہ ملتوی

کانپور۔ ۱۹ ستمبر۔ کانپور کارپوریشن کے میئر نے پرائمری اسکولوں میں اُردو کو تیسری زبان کی حیثیت سے پڑھائے جانے کی قرارداد پر مباحثے کے مطالبے کو اختلافی مسئلہ قرار دے کر روک دیا۔

بقیہ: کولمبس کی دنیا سے

اُردو کے علاوہ دوسری ہندوستانی زبانوں کی نمایندگی بھی کی گئی؛ اور یہ طے پایا کہ اس سوسائٹی کے زیر اہتمام آئندہ امریکہ کی متعدد یونیورسٹیوں کے ماہرین ہندیات کے لکچروں کا سلسلہ شروع کیا جائے گا۔

گرمیوں کی چھٹیوں میں میں نے کچھ وقت سیر و سیاحت میں صرف کیا۔ اس کے بعد دو ماہ کے لئے مِل واکی (Mil waukee) چلا آیا' جہاں ہندوستان جانے والے چالیس امریکی طلبہ کی تربیت کا کام جاری ہے۔ چار پانچ ہندوستانی انھیں اُردو پڑھانے پر مامور ہیں اور اس تعلیمی پروگرام کی نگرانی کا کام میرے سپرد ہے۔ اس دوران میں راسین (Racine) کے ادارہ سماجیات کو بھی دیکھنے کا موقع ملا۔ وہاں سماجی اور تاریخی علوم کے اساتذہ کا سالانہ جلسہ تھا جس میں مجھے "ہندوستانی کلچر کے بنیادی عناصر" پر بولنا تھا۔ تقریر کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ بہت دیر جاری رہا۔ ایسے موقعوں پر احساس ہوتا ہے کہ ایک عام امریکی ہندوستان کے بارے میں ایک عام ہندوستانی سے کئی گنا زیادہ معلومات رکھتا ہے۔

امریکہ میں ادبی اور اشاعتی سطح پر آئے دن نئے شگوفے کھلتے رہتے ہیں۔ حال ہی میں فرانس اور امریکہ میں ایک نیا تجربہ یہ کیا جارہا ہے کہ افسانوی ادب میں کسی معنوی تسلسل یا واقعاتی ربط و تنظیم کی ضرورت نہیں، صرف مناظر اور واقعات کو فرداً فرداً پیش کر دینا ہی کافی ہے۔ مارک سپارٹا کے ناول "کمپوزیشن نمبر ایک" کی اشاعت کا اعلان ہو چکا ہے۔ اس میں صفحوں یا واقعات کی تنظیم نہیں ہوگی۔ جلد وغیرہ کے جھمیلے کی بھی ضرورت نہیں۔ گتّے کے ایک ڈبے میں منتشر اوراق ہوں گے۔ گویا کتاب نہ ہوئی تاش ہوا' جہاں سے جی چاہے نکال لیجئے اور دل بہلا لیجئے۔ اس نظریے کے حامیوں کا بیان ہے کہ زندگی متضاد عناصر سے عبارت ہے۔ اچھائی بُرائی اور خوبی خامی کا انحصار حالات پر ہے۔ گویا جب زندگی ہی اتفاق کے ہاتھ میں کھلونا ہے تو ادبی سطح پر اس میں مصنوعی ربط تلاش کرنا کیا معنی؟ دعویٰ کیا گیا ہے کہ حقیقت پسندی کے جدید ترین رجحانات قدیم ادبی تصنع کو روا نہیں رکھ سکتے۔

دوسرا رجحان خالص امریکی تجارتی ذہن کی پیداوار ہے۔ ریڈرز ڈائجسٹ دنیا کے کونے کونے میں پڑھا جاتا ہے۔ یہ وبا اب ہندوستانی زبانوں میں بھی عام ہو گئی ہے۔ یہ زمانہ دراصل ہے ہی انتخاب، اختصار اور ایجاز کا۔ بڑی کتابوں کے مختصر (abridged) ایڈیشن تقریباً بیس تیس سال سے مقبول ہو رہے ہیں۔ اب ان میں نئی لطافتیں اور نزاکتیں پیدا کی جارہی ہیں۔ حال ہی میں بعض بہترین کتابوں کو اتنے باریک کاغذ پر اتنے نفیس ٹائپ میں شائع کیا گیا ہے کہ ان کا حجم سگریٹ کی ڈبیا کے لگ بھگ رہ گیا ہے۔ ان کی فروخت کا پہلا تجربہ نیو یارک کے ٹائمز اسکوائر میں کیا جارہا ہے۔ زمین دوز ریلوے اسٹیشنوں پر سگریٹ بیچنے کی پرانی مشینیں اس کام کے لئے استعمال کی جارہی ہیں۔ یعنی جھری میں تیس سینٹ ڈالئے اور کتاب کے بوجھ سے بے نیاز ہو کر مطالعے سے محظوظ ہو جیئے۔

سنجیدہ حلقوں میں آج کل ایک نئے ناول "دی کلکٹر" (The Collector) کی خاصی دھوم ہے۔ انسانی لغزشوں اور جسمانی آلائشوں میں محبت کا نور دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ جان فاولز (John Fowles) نے کئی سالوں کے بعد نابوکوف (NABOKOV) کے شاہکار کی یاد تازہ کر دی ہے۔

از ایڈیٹر صاحب "وشِش سیوک" دہرہ دون

"بزم جگرؔ" کا مشاعرہ

ہندو نیشنل کالج کے وسیع ہال میں "بزم جگر" دہرہ دون کی طرف سے حضرت جگرؔ مرادآبادی کی تیسری برسی کے سلسلے میں ایک شاندار مشاعرہ منعقد کیا گیا جس کی صدارت کنور مہیندر سنگھ بیدی سحرؔ ڈپٹی کمشنر کرنال نے کی۔ مشاعرے کی کارروائی سے پہلے بزم کے ایک سرپرست شری راجندر کمار بیری نے بزم جگر کی ادبی سرگرمیوں پر مکمل روشنی ڈالی اور حاضرین کو خوش آمدید کہا۔ بعد ازاں جگرؔ صاحب کی ایک مشہور غزل سے مشاعرہ شروع ہوا۔ وہ غزل شری نیر نازؔ نے پڑھی۔ محفل مشاعرہ رات کے ۲ بجے کے بعد ختم ہوئی اور ہر لحاظ سے کامیاب رہی۔

شعرا میں طفیل ہوشیارپوری نے اپنی اُردو غزل کے علاوہ ہندی و پنجابی کے گیت بھی سنائے۔ شری الفت الٰہ آبادی (شاعر خاص روزانہ "پرتاپ") اور پنڈت رام کرشن مضطر (شاعر خاص روزانہ "ملاپ") کا کلام توجہ سے سُنا گیا اور پسند کیا گیا۔ بشیر امروہوی، شعری بھوپالی اور محترمہ مینا کاظمی کے علاوہ آفتاب لکھنوی، شری بی۔ ایس کنول (چنڈی گڑھ) اور رفعت سروش کی غزلیں بھی پسند کی گئیں۔ دو کل اُردو شاعروں میں سے صرف "بزم جگر" کے پردھان اور اپ پردھان (شری دکل اور شری کنول) نے ہی اپنا کلام پڑھا۔

اس مشاعرے کی ایک خاص خصوصیت یہ تھی کہ مظفر نگر کو چھوڑ کر باہر سے تشریف لانے والے تمام شاعر پہلی بار دہرہ دون آئے اور انھوں نے اپنا کلام سنایا۔

ہندوستان میں اُردو صحافت

سنہ ۱۹۶۲ء میں ہندوستان کے اُردو اخباروں جریدوں کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہوا۔ اس سال ملک میں جموں و کشمیر کو چھوڑ کر اُردو کے کل ۹۰۴ اخبار و جریدے شایع ہو رہے تھے۔ یہ تعداد سنہ ۱۹۶۱ء میں کی کل تعداد سے ۸۸، سنہ ۱۹۶۰ء سے ۷۹ اور سنہ ۱۹۵۹ء سے ۱۲۳ زیادہ تھی۔

زیر نظر سال میں ملک میں کل ۱۱۰۵ نئے اخبار و جریدے شروع ہوئے۔ ان میں ۱۳۹ اُردو کے اخبار و رسالے تھے جن کی تفصیل حسب ذیل تھی:-
روزنامے ۲، ہفتہ وار ۶۹، نیم ماہی ۱۹، ماہنامے ۴۳، سہ ماہی اور ششماہی ۵ اور سالانہ ۱۔

اُردو اخباروں و رسالوں کی اشاعت کل ملا کر ۱۱ لاکھ ۵۶ ہزار تھی۔ سنہ ۱۹۶۱ء میں یہ ۱۲ لاکھ ۳۸ ہزار، سنہ ۱۹۶۰ء میں ۱۲ لاکھ ۹۵ ہزار اور سنہ ۱۹۵۹ء میں ۱۲ لاکھ ۶۴ ہزار تھی لیکن زیر نظر سال میں کل صرف ۴۳۶ اخباروں و رسالوں کی اشاعت کے اعداد موصول ہوئے۔ اس کے مقابلے میں سنہ ۱۹۶۱ء میں ۵۰۱، سنہ ۱۹۶۰ء میں ۴۸۲ اور سنہ ۱۹۵۹ء میں ۴۰۸ اخباروں و رسالوں کے اعداد میسر آئے تھے۔

ہندوستان کے اخباروں کے رجسٹرار کی تازہ رپورٹ سے جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے، پتہ چلتا ہے کہ زیر نظر سال میں ملک بھر کے اخبارات میں اُردو اخبارات پچھلے سال کی طرح تیسرے مقام پر رہے۔ سب سے زیادہ تعداد انگریزی اخباروں کی تھی جو ۱۸۷۱ تھی۔ اس سے کم ہندی اخباروں کی تھی۔

روزناموں کی تعداد میں اُردو اخباروں کو دوسرا مقام حاصل تھا۔ سب سے زیادہ تعداد ہندی اخباروں کی تھی جو ۱۳۳ تھی۔ اُردو روزناموں کی تعداد ۶۷ تھی جو سنہ ۱۹۶۱ء کی تعداد سے ایک زیادہ تھی۔ انگریزی کے روزناموں کی تعداد ۴۹ اور پنجابی کے روزناموں کی تعداد ۱۳ تھی۔

اُردو کے روزناموں کی سرکولیشن دو لاکھ ۱۴ ہزار تھی۔ اس باب میں پہلا مقام انگریزی کے لئے زمرہ کے اخباروں کا تھا جن کی سرکولیشن ۱۳ لاکھ ۴۷ ہزار تھی۔ اس کے بعد ہندی کے تھے جن کی سرکولیشن ۷ لاکھ ۵۴ ہزار تھی۔ اس کے بعد تمل، ملیالم، مراٹھی اور گجراتی کے اخباروں کے مقامات تھے۔

سنہ ۱۹۶۲ء میں ملک کی نو ریاستوں سے اُردو کے اخبار جریدے اور رسالے برابر شائع ہو رہے تھے ان کے نام یہ ہیں:- آندھرا پردیش، بہار، مدھیہ پردیش، مہاراشٹر، میسور، پنجاب، اتر پردیش، مغربی بنگال اور دہلی۔ لیکن دہلی، پنجاب اور اتر پردیش میں ان کی بہت کثرت تھی۔

سنہ ۱۹۶۱ء میں اُردو پریس کی سرکولیشن میں ۶۶۵ فی صد کمی ہو گئی تھی۔ زیر نظر سال یعنی سنہ ۱۹۶۲ء میں نہ صرف اُردو اخباروں کی تعداد میں اضافہ ہوا بلکہ ان کی اشاعت بھی بڑھی۔ عددی اعتبار سے ملک کی زبانوں کے اخباروں میں اردو پریس دوسرے نمبر پر تھا۔ اس سال میں مذکورۂ بالا تمام ریاستوں میں اردو اخباروں و رسالوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ صرف میسور میں دو اخباروں کی کمی ہوئی۔

تعداد میں سب سے زیادہ اضافہ پنجاب میں ہوا یہاں کل ۳۰ نئے اخبار و رسالے شروع ہوئے۔ اس کے بعد دہلی میں ۱۴، اور آندھرا پردیش میں ۱۲ اخباروں و رسالوں کا اضافہ ہوا۔ مجموعی طور پر پوری نو ریاستوں میں اُردو اخباروں و رسالوں کی تعداد میں ۸۸ کا اضافہ ہوا اور اُن کی کل تعداد ۹۰۴ ہو گئی۔

سب سے زیادہ اخبار اور جریدے پنجاب سے شایع ہو رہے تھے۔ ان کی تعداد ۲۰۶ تھی۔ اس کے بعد اتر پردیش سے ۱۷۳، اور دہلی سے ۱۴۹ اخبار و رسالے شایع ہو رہے تھے۔ آندھرا پردیش سے ۷۷ اور مہاراشٹر سے ۵۷، اخبار و رسالے شایع ہو رہے تھے تاہم سرکولیشن کے لحاظ سے دہلی سر فہرست تھا۔ یہاں کے ۹۲، اخباروں و رسالوں کی کل سرکولیشن تین لاکھ ۸۵ ہزار تھی۔ اس کے مقابلے میں اتر پردیش کے ۱۲۷، اخباروں و رسالوں کی سرکولیشن دو لاکھ ۳۲ ہزار اور پنجاب کے ۱۱۰، اُردو اخباروں و رسالوں کی سرکولیشن ایک لاکھ ۹۱ ہزار تھی۔ چنانچہ پڑھنے والوں کی کل تعداد کا ۳۶٫۵ فی صد حصہ دہلی کے اخباروں و رسالوں سے وابستہ تھا۔ اتر پردیش کے اخباروں و رسالوں کے حلقے میں پڑھنے والوں کا ۲۲ فی صد حصہ اور پنجاب کے اخباروں و رسالوں کے حلقے میں پڑھنے والوں کا ۱۰٫۱ فی صد حصہ تھا۔

دہلی کے اُردو کے ۱۰ روزناموں میں سے سات کی کل سرکولیشن ۷۱ ہزار تھی، اور یہ ملک بھر میں

اُردو اخبارات پڑھنے والوں کی کل تعداد کا ۷۶ء۳۹ فی صد حصّہ تھی۔ انفرادی طور پر دہلی کے ایک روزنامہ کی سرکولیشن ۲۵۶۹۱ تھی جو ملک بھر کے اُردو اخباروں میں سب سے زیادہ تھی۔ اس کے بعد راج دھانی کے ایک اور روزنامے کی سرکولیشن ۲۵۱۹۹ تھی۔

رسالوں میں بھی سب سے زیادہ سرکولیشن کا امتیاز دہلی ہی کے ایک رسالے کو حاصل تھا۔ زیرِ نظر سال میں اس ماہ نامے کی سرکولیشن ۸۶۶۶۶ تھی۔ اس سے قبل اس کی سرکولیشن ۷۶۳۳۲ تھی۔ اسی طرح دہلی کے تین اور روزناموں کی سرکولیشن دس دس ہزار سے زیادہ تھی۔

اُتر پردیش میں اُردو اخباروں، جریدوں و رسالوں کی تعداد اور ریاست بھر کے اخباروں و رسالوں میں دوسرے نمبر پر تھی۔ ریاست کے روزناموں کی تعداد تو حسبِ سابق دس ہی رہی لیکن رسالوں کی تعداد ۱۵۶ سے بڑھ کر ۱۶۳ ہو گئی۔ ریاست میں کان پور کے ایک روزنامہ کی سرکولیشن ۹۷۲۰ تھی۔

الٰہ آباد کے ایک جاسوسی ماہ نامہ کی سرکولیشن ۱۲۲۰۳ تھی۔ اور مراد آباد کے ایک ہفتہ وار کی سرکولیشن ۱۱۹۱۵ تھی۔

پنجاب سے چھپنے والے اُردو اخبار و رسالے ملک بھر میں پریس کی سرکولیشن میں تیسرے نمبر پر تھے۔ جالندھر کے ہر دو روزناموں کی سرکولیشن گیارہ گیارہ ہزار سے زیادہ تھی۔ یہاں کے ایک اور روزنامے کی جس کی اشاعت حال ہی میں شروع ہوئی تھی سرکولیشن ۵۰۳۹ سے بڑھ کر ۹۴۶۲ ہو گئی تھی۔ جالندھر کے ایک ہفتہ وار کی سرکولیشن ۷۰۰۵ تھی۔

آندھرا پردیش میں اُردو روزناموں کی تعداد ۱۴ سے گھٹ کر ۱۱ رہ گئی۔ لیکن رسالوں کی تعداد ۵۲ سے بڑھ کر ۶۶ ہو گئی۔ ریاست کے ۷۷ اُردو اخباروں و رسالوں میں سے ۳۱ کی کل سرکولیشن ۵۱ ہزار تھی۔ سنہ ۱۹۶۱ء میں ۴۴ اخباروں و رسالوں نے ساٹھ ہزار کی سرکولیشن کا دعویٰ کیا تھا۔

ریاست کے ایک روزنامے کی سرکولیشن ۷۹۸۸ تھی۔ اسی طرح ایک ماہ نامے کی سرکولیشن پانچ ہزار تھی۔

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

گلِ خنداں (سید الشہید انجم)

مدیر۔ پیام شاہجہاں پوری

جائے اشاعت۔ کشمیری بازار۔ لاہور (پاکستان)

سائز ۲۲×۱۸/۱۶ صفحات ۲۱۵۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

عملی تنقید (جلد اول)

مصنف۔ کلیم الدین احمد

ناشر۔ کتاب منزل۔ سبزی باغ۔ پٹنہ

سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۲۶۴

قیمت۔ سات روپے آٹھ آنے۔

رنگ و بو

مصنف۔ خود خوش پوری

ناشر۔ مکتبہ گلستان ادب۔ کلکتہ

سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۱۲۰

قیمت۔ دو روپے ۵۰ نئے پیسے۔

مجاہد البحائر

مصنف۔ امیر البحر بار بروسہ

مترجم۔ نسیم احمد شائق

ناشر۔ ملک سراج الدین اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور

سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۲۲۴۔ قیمت تین روپے۔

پیاسے دل

مصنف ابراہیم اختر

ملنے کا پتہ۔ عثمانی بک ڈپو۔ زکریا اسٹریٹ کلکتہ ۱ء

سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۶۴

قیمت۔ ایک روپیہ

ہمالہ جاگ اُٹھا

مصنف بشیر فتحپوری

ناشر۔ مکتبہ نوائے نو۔ جمنا نگر۔ پنجاب

سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۳۲

قیمت پچاس نئے پیسے۔

مطائبات شبلی

مصنف۔ ایس۔ جالب مظاہری

ناشر۔ علوی بک ڈپو۔ محمد علی روڈ۔ بمبئی ۳

سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۱۲۸

قیمت۔ دو روپے پچاس نئے پیسے۔

مالک انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ، پبلشر نذر حسن، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اردو علی گڑھ سے شائع کیا